

مقالات

چوتھی صدی ہجری کا فقہی و مذہبی انقلاب

(از افادات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)

چوتھی صدی ہجری سے قبل کسی خاص امام کی تقلید کا خیال رائے عام کو متاثر نہ کر سکا تھا ابوطالب کی قوت القلوب میں فرماتے ہیں :-

”لوگوں کی یہ تصانیف تو بعد کی چیزیں ہیں، پہلی اور دوسری صدی میں لوگوں کے اقوال حجت نہیں ہو کر تھے اور نہ یہ قاعدہ تھا کہ خصوصیت کیساتھ کسی ایک ہی شخص کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے، اُسی کی رایوں سے استدلال کیا جائے اور ہر مسئلہ معاملہ میں اُسی کا قول تلاش اور بیان کیا جائے، حتیٰ کہ صرف اُسی کے مذہب پر فقہ اور استنباط مسائل کی بنیاد رکھی جائے“

پھر تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تخریج و استنباط مسائل کا کسی قدر رواج شروع ہوا لیکن، جیسا کہ نتیجہ سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت بھی عام لوگوں میں تقلید شخصی کا شیوہ نہ تھا اور نہ کسی ایک امام کے اقوال کی روایت و تدوین ان کا شیوہ تھا، بلکہ خواہ عوام ہوں یا خواص و علماء سب کے سب ان خیالات سے بہت دور تھے۔

عوام کا حال یہ تھا کہ وہ اجماعی اور اصولی مسائل میں، جو تمام ائمہ اور ارباب اجتہاد کے درمیان متفق علیہ تھے، براہ راست شارع علیہ السلام کی تقلید کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز

وزکوٰۃ وغیرہ کے طریقے یا تو اپنے بزرگوں سے سیکھ لیتے یا اپنے گاؤں اور شہر کے اصحاب درس و تدریس سے، اور اُسی پر عمل کرتے۔ اور اگر کوئی اہم معاملہ پیش آجاتا تو جس فقیہ یا مفتی کو پاتے بلا لحاظ مذہب و مسلک اُس سے فتویٰ پوچھ لیتے۔

خواص اور علماء کا حال یہ تھا کہ ان میں جو اباب روایت و اصحاب حدیث ہوتے، وہ ہر طرف سے نظریں ہٹا کر احادیث میں مشغول رہتے۔ اگر انہیں احادیث یا آثار صحابہ میں کوئی مشہور مستند چیز مل جاتی جس پر فقہائے سلف کا عمل بھی رہ چکا ہو تو وہ پیروی کیلئے اسکو کافی سمجھتے، اور لوگوں کے اقوال و مذاہب کی طرف التفات ہی نہ کرتے۔ لیکن اگر وہاں کوئی چیز نہ ملتی، تو پھر جمہور صحابہ و تابعین کے مشہور اقوال کو دلیل راہ بناتے۔ اور کبھی ان مآخذ سے بھی انہیں کوئی تشقی بخش حل نہ ملتا، مثلاً نصوص باہم متعارض ہو جاتیں اور کوئی وجہ ترجیح اُن کے ذہن میں نہ آسکتی، تو ایسی حالت میں وہ فقہائے متقدمین کے اقوال کی طرف رجوع کرتے اور ان کی مختلف رایوں میں سے اس رائے کو اختیار کرتے جو اُن کے نزدیک کتاب و سنت کی روح سے زیادہ اقرب ہوتی اور جبکہ حق میں دلائل زیادہ مضبوط ہوتے۔ وہ مآخذ اور دلیل کو دیکھتے تھے، قطع نظر اسکے کہ کونسا قول کس گروہ کا ہے۔

یہ طریقہ تو محدثین کا تھا۔ اصحاب تخریج کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ جن مسائل کا حل نصوص شرعیہ میں صاف اور صریح نہ پاتے، انہیں تخریج و استنباط کی روشنی میں حل کرتے، اور اپنے اصول کے مطابق اجتہاد کرتے تھے۔ اور اس اجتہاد کے باوجود یہ لوگ اپنے اپنے ہم خیال ائمہ کبار کے مذہب سے منسوب کیے جاتے تھے، مثلاً کہا جاتا کہ فلان شخص حنفی ہے اور فلان شافعی ہے۔ یہی طریقہ محدثین کے بارے میں بھی برتا گیا۔ مذاہب مروجہ میں سے جس مذہب سے ان کا مسلک نسبتاً زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہوتا آذادی رائے اور عدم تقلید کے باوجود اُسی مذہب کی طرف انہیں منسوب کر دیا

جاتا، مثلاً نسائی اور بیہقی جو بجائے خود امام اور محدث تھے، ”شافعی“ کہے جانے لگے۔ غرض اُس زمانہ میں قضاء اور افتاء کی مسند پر وہی بیٹھتا تھا جو شان اجتہاد رکھتا ہو۔ جو مجتہد نہ ہوتا وہ فقیہ بھی نہ کہلاتا۔

اب وہ دور آتا ہے جس میں علوم شریعت پر ایک طرح کا اضطلال طاری ہو جاتا ہے، مسلمان بکثرت ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں اور ان کے علمی ذوق میں ایک تباہ کن انقلاب برپا ہوتا ہے۔ وہ ذہنی بیماریاں جنہوں نے انکی فکری و علمی صلاحیتوں کو شدید نقصان پہنچا یا چند اقسام کی تھیں۔ (۱) پہلی بیماری جس نے ملت مرحومہ کے پیکر کو کھوکھلا بنانے میں سب سے نمایاں حصہ لیا وہ فقہ اور اسکی تفصیلات سے متعلق اہل علم کی باہمی نزاع اور ہنگامہ آرائی تھی۔ یہ افسوسناک داستان امام غزالیؒ نے تفصیل سے بیان کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے :-

”خلفائے راشدین کا میمون و مبارک دور جب ختم ہو گیا تو دام خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو اس امانت کے اٹھانے کی مطلقاً صلاحیت نہ رکھتے تھے اور احکام شریعت سے قریب قریب نا بلند تھے، اس لئے وہ مقدمات فیصلہ کرنے اور قضائے شرعی جاری کرنے کیلئے مجبور ہوئے کہ علماء دین کی صحبت سے استفادہ کریں، اور قدم قدم پر ان سے رجوع کریں۔ گو خیر القرون کا دور ختم ہو چکا تھا، مگر پھر بھی حق پرست اور صحیح علم و بصیرت رکھنے والے علماء سے دنیا بالکل خالی نہ تھی۔ خلفاء کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی مگر ان کی بے نیازی کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ حکومتیں انھیں جتنا اپنی طرف کھینچتیں، وہ ان سے اتنا ہی زیادہ کھینچتے جاتے۔ جاہ پسند لوگوں نے جب دیکھا کہ اس اعراض اور استغناء کے باوجود وہ مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں بڑے بڑے ائمہ دین ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور انھیں

جو عزت و عظمت اور مقبولیت حاصل ہے پادشاہ وقت کیلئے بھی باعثِ مدد و تکیہ ہے تو ان کے دلوں میں اس ذریعہ عزت یعنی علوم دین کے حاصل کرنیکا شوق پیدا ہوا تاکہ اسے بازار میں لا کر عزت و شرف کا سودا کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم دین کا ایوانِ عظمت جاہ پرستی کے سیلاب میں غرق ہو کر رہ گیا۔ اب علماء و فقہاء ڈھونڈ مٹے جاتے تھے بلکہ وہ خود اپنے ڈھونڈ مٹنے والوں کو ڈھونڈ مٹتے پھرتے تھے۔ جو کچھ انکی عزت تھی سلاطین سے منہ موڑنے کی بدولت تھی۔ جب انہوں نے خود سلاطین کا رخ کیا تو عزت ذلت کیلئے بیل گئی، الا ماشاء اللہ۔

”اس سے قبل کلامی جدلیات کی داغ بیل پڑ چکی تھی، علم کلام پر بعض کتابیں لکھی جا چکی تھیں، مباحث و مناظرہ کے اصول و فروع بھی قائم ہو چکے تھے، اختلافی مسائل پر سوال و جواب کا رواج عام ہو چکا تھا، بالآخر ان فقہاء کیلئے یہ چیزیں خاص توجہ اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں کیونکہ درباروں میں اس کے بغیر بار نہ حاصل ہوتا۔ بعض خلفاء فقہی مناظروں کے بڑے دلدادہ تھے، حنفی اور شافعی مباحثوں سے خصوصیت کے ساتھ انھیں دلچسپی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ارباب فن، کلام اور دیگر علوم کے میدان تحقیق و جستجو سے نکل کر اختلافی مسائل فقہیہ کے معرکہ دار میں اتر آئے اور حنفیت اور شافعییت کے اکھاڑوں میں باہم نبرد آزمائی ہونے لگی کہ خداوندان جاہ و ثروت کی توجہ حاصل کرنے کا یہی مجرب ترین نسخہ تھا۔

”ستم یہ کہ وہ اپنی اس قیل و قال کو علم دین کی بڑی خدمت شمار کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ اس طرح شریعت کے اسرار و دقائق کا استنباط کر رہے ہیں ہر مذہب کے علل و مصالح بیان کر رہے ہیں، اور اصول فتویٰ کی

راہ کھول رہے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت انہوں نے تصنیفات اور استنباطات کا ڈھیر لگا دیا اور بحث و جدال کے گونا گوں اسلحہ ایجاد کر ڈالے۔ افسوس کہ وہ اب تک اسی روش پر چلے جا رہے ہیں۔ نہیں معلوم مستقبل انہیں کس راہ پر چلائے گا۔“

(۲) دوسری خاص بات اس زمانہ میں یہ پیدا ہوئی کہ تقلید جاد پر لوگوں نے تمت کر کے تحقیق و اجتہاد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا۔ تقلید پرستی غیر شعوری طور پر ان کے ایک ایک رگ ریشے میں سرایت کر گئی۔ اس کے چند اسباب تھے:-

پہلا سبب فقہاء کی باہمی جنگ و جدل ہے کیونکہ جب ان میں آپس کی مناظرانہ چپقلش اور مزاحمت شروع ہوئی تو نوبت یہ آگئی کہ جہاں کسی فقیہ نے فتویٰ دیا، دوسرا فوراً اسکی تردید کر دیتا اور اپنی الگ رائے پیش کرتا۔ اس نزاع میں جب تک کسی قیم امام یا مجتہد کا قول حکم نہ بنتا، جھگڑے کا تصفیہ ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح ارباب علم و افتاء کیلئے ناگزیر ہو گیا کہ کسی کسی امام کی تقلید محض کے حصار میں پناہ لیں۔

دوسرا سبب قضاۃ وقت کا ظلم و جور ہے۔ ان کے فیصلے اکثر سنت عادلہ سے بے پروا ہو کر جور و ستم پر مبنی ہوا کرتے۔ اس وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں انکی رائیں مشکوک ہو کر رہیں اور انہیں اس وقت تک تسلیم نہ کیا جاتا جب تک وہ سلف میں سے کسی امام کی رائے کا حوالہ نہ دیتے۔

تیسرا سبب جہل کا شیوع ہے۔ اکثر مفتیوں کا حال یہ تھا کہ نہ وہ علم حدیث سے کوئی بہرہ رکھتے تھے اور نہ تخریج و استنباط کی اہلیت رکھتے تھے، جیسا کہ تم اکثر متاخرین کے اندر یہ ہفت باسانی دیکھ سکتے ہو۔ علامہ ابن ہمام وغیرہ نے انکی فتنی زوال پر شدید احتجاج کیا ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب فقیہ اور مجتہد کے الفاظ ایک ہی معنی میں بولے اور سمجھے جاتے تھے

مگر اب فقہیت کا معیار بدل چکا تھا۔ اب غیر مجتہد بھی فقیہ ہونے لگا۔

(۴) اس دور میں ایک اور چیز پیدا ہو گئی جس نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی وہ علوم شرعیہ کے اصل سرچشمہ سے اک گونہ بے پروا ہوتے گئے اور زیادہ تر جزوی فنون میں داو تقویٰ دینے لگے۔ بعض نے بزم خود علم الرجال اور فن جرح و تعدیل کی بنا ڈالی، پھر جدید و قدیم تاریخ کی تدوین میں منہمک ہو گئے۔ کچھ لوگ غریب و نادر احادیث و اخبار کی چھان بین میں مصروف ہو گئے خواہ وہ ستر یا پافسانہ ہی افسانہ کیوں نہ ہوتیں۔ ایک گروہ نے اصول فقہ کے دامن کو پھیلاتا شروع کیا اور ہر صاحب نظر نے اپنے امام و اصحاب کے مسلک کی تائید میں بیشمار جدلی قواعد و ضوابط مدون کر ڈالے۔ رد و ایراد کے چرچے بہت بڑھ گئے، میدان مبارکت میں بے پناہ گرمی پیدا ہو گئی اور اس فن پر ہر ایک نے اپنے مسلک اور مذاق کے مطابق طویل و مختصر تصانیف کا انبار لگا دیا۔ ایک اور جماعت اٹھی جس نے بغیر کسی احساس ضرورت کے محض فرضی صورتوں کو سامنے رکھ کر دماغی کاوش شروع کر دی۔ یہ فرضی صورتیں جن پر وہ اپنی قبیل و قال کی بنیاد رکھتے کبھی کبھی حد درجہ مستبعد اور بے اصل ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح کبھی کبھی مجتہدین سلف کے عموم عبارت اور اشارات کو لیکر خیال آرائی شروع کر دیتے جسکو ایک عامی انسان بھی سننا پسند نہیں کر سکتا۔

یہ دور اتنے فتنوں کو ساتھ لیکر آیا تھا۔ اختلاف و نزاع اور لاطائل تعمق و تدقیق کا یہ فتنہ تاریخ اسلام کے اس سیاسی فتنہ سے کسی طرح کم نہ تھا جس نے شیرازہ ملت پر اپنی تیز مقرآن چلا کر اس کا سارا نظام ہی ورہم برہم کر ڈالا۔ پہلا فتنہ خلافت اور حکومت کی طلب کا اٹھایا ہوا تھا۔ ہر شخص نے اپنی جماعت یا اپنے جماعتی سرگروہ کو برسر تخت لانے کی جاوید سرتوڑ کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ ”ملک عضو“ (جابر و ظالم بادشاہ) امت کے سر پر مسلط ہو گئے۔ اور تاریخ اسلام

میں ایسے ہولناک واقعات پیش آئے جنکا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح یہ جدید فتنہ بھی قریب قریب ویسے ہی اسباب کے ماتحت آیا اور لوگوں کے دماغوں میں جہل اور شکوک و ابہام کے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔

زمانہ گزرتا رہا اور اسی اندھی، متعصبانہ تقلید پرستی پر نسلیں ختم ہوتی گئیں جسکی رو سے حق و باطل کی تمیز کرنا اور جدلِ محض اور استنباطِ صحیح کے حدود الگ کرنا بدترین گناہ ہے۔ اب فقہیہ نام ہونے لگا اس شخص کا جسکی زبان بحث و جدال کے میدان میں تیز تر ہو۔ جو کسی بات پر چپ رہنا جانتا ہی نہ ہو۔ جس نے بلا امتیازِ رطب و یابس، فقہاء کے تمام اقوال رٹ رکھے ہوں اور ان کی دھواں دھار تلاوت کر سکتا ہو۔ یہی حال اصطلاحی محدث کا تھا جو یہ سمجھ بیٹھا ہوا تھا کہ غلط، صحیح، موضوع اور مستند، ہر قسم کی روایتوں کو گن گن کر الگ کر لینا اور بغیر کسی معقولیت اور فہم و بصیرت کے انہیں بیان کر دینا حدیثِ دانی کا سب سے بڑا کمال ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہی حال سب کا تھا۔ نہیں، اس قحط کے باوجود اللہ کے کچھ بند سلف کی یاد تازہ کر نیوالے بھی باقی تھے۔ اگرچہ بہت کم تھے مگر اللہ کی تائید ان کے شریکِ حال تھی۔ یہی لوگ ارضِ الہی پر اس کی حجت ہیں۔

اس دور کے بعد جتنا وقت گزرتا گیا فتنہ آرائی اور متعصبانہ تقلید پرستی کا طوفان بڑھتا ہی گیا اور دلوں سے علم و بصیرت کی خداوندی امانتیں نکلتی گئیں، حتیٰ کہ آج کے علماء کرام مودین میں غور و تدبر کی ”بدعت“ کو مٹا کر اطمینان کا سانس لے رہے ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ ﴿ثُمَّ وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّتِنَا وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ ہم نے اپنے آباء کو ایک پیش پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقوشِ قدم کی پیروی کرینگے) اب سوائے اللہ کے اور کس سے اسکا گلہ کیا جائے۔ وہی ہمارا حال پر رحم کرے۔

(واخوذ از حجتہ اللہ البالغہ)